Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 2 Issue 2, Fall 2022
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

عہدِ نبوی ﷺ میں مدنی معاشرے کی سیاسی، سماجی اور معاشی اصلاحات کا تجزیاتی مطالعہ

Title: **The Fundamentals of *Madni* Society in Prophet's Era: An Analytical and Applied Study of Political, Social and Economic Reforms**

Author (s): Faisal ur Rehman Faisal Khalil

Affiliation (s): International Islamic University, Islamabad, Pakistan

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.22.03

History: Received: September 08, 2022, Revised: September 27, 2022, Accepted: October 21, 2022, Available Online: December 25, 2022

Citation: Khalil, Faisal ur Rehman Faisal. "The fundamentals of *Madni* society in Prophet's era: An analytical and applied study of political, social and economic reforms." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 2, no.2 (2022): 26 –45. https://doi.org/10.32350/mift.22.03

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities, University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

عہدِ نبوی ﷺ میں مدنی معاشرے کی سیاسی، سماجی اور معاشی اصلاحات کا تجزیاتی مطالعہ

The Fundamentals of Madni Society in Prophet's Era: An Analytical and Applied Study of Political, Social and Economic Reforms

Faisal ur Rehman*

International Islamic University, Islamabad, Pakistan

Abstract

It is essential that the Muslims acknowledge the fundamentals of the society which was established and developed by the prophet Muhammad (PBUH) in *Makkah* and *Madīna*. The Islamic welfare state which influenced and gained massive recognition in its early decades across the Arab peninsula was itself commendable. The glory and power of Islam had already reached in majesty of Iran, Rome and *Habsha* during the life time of prophet (PBUH). Following his footsteps, during the reign of the caliphates (prophet's companions), Muslims conquered the regions of not only *Qaiser* and *Qisra* but also a large part of Asia. After that they entered Europe through conquering large regions of North Africa. The Islamic state which influenced the world in a very short span after its birth had marked a milestone in history for creating a socio-economic and political system that leads humanity towards positivism and constructivism. It is also necessary to go through the wisdom by which the prophet has transformed the destiny of *Madni* society and evolved Islamic civilization. Amidst the current scenario of Pakistan, it is of grave importance that a clear picture is drawn of *Madni* society during the era of holy prophet (PBUH). Furthermore, we are in dire need to represent the course of action adopted by him as no counter example of brotherhood, sacrifice, compassion among society could be seen as that created by our beloved prophet (PBUH). All of these have in deed led the society towards social, economic and political stability. Thus, it is the necessity of the time to keenly analyze, adopt and apply the fundamentals of *Madni* society to reform Islamic Republic of Pakistan.

Keyword: Economic reforms, *Madni* society, Prophet's Era, political stability, social reforms

۱. تمہید

اللہ کے پیارے حبیب جنابِ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جس معاشرے کی بنیاد رکھی، جو سماج تشکیل دیا، جس فلاحی ریاست کو پروان چڑھایا، وہ ریاست اور معاشرہ جس نے اپنے قیام کے بعد صرف ساڑھے تیئس سالوں میں ہی پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا، عہدِ نبوی میں ہی جس کی بازگشت ایران، توران، روم اور حبش تک کے ایوانوں میں سنائی دینے لگی۔ جس نے آگے چل کر خلفاءِ راشدین کے عہد میں نہ صرف قیصر وکسریٰ کی طاقتور سلطنتوں کو سرنگوں کر لیا بلکہ ایشیاء کے ایک بڑے حصہ کو فتح کر چکنے کے بعد شمالی افریقہ کے راستے یورپ کے دروازوں پر دستک دی۔ عرب و عجم اور اس وقت کی معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنے بے مثل نظام سے متاثر کرنے والا سماج جس نے انتہائی مستحکم، مثبت اور تعمیری بنیادوں پر تاریخ کا دھارا بدل کر اسے ترقی کی نئی جہات سے روشناس کرایا۔ پیغمبرِ آخر الزمان ﷺ نے مدینہ منورہ میں اخوت

*Corresponding author: Faisal ur Rehman at faisalkhaliliiui@gmail.com

،الفت اور ایثار سے لبریز ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا تھا جو اس وقت کی متمدن سمجھی جانی والی دنیا میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ ان بنیادوں کو معلوم کر لیا جائے جن پر وہ بے مثل معاشرہ پروان چڑھا، یہ دیکھا جائے کہ اس معاشرہ کی تعمیر کن بنیادوں پر کی گئی تھی۔ وہ کیا حکمتِ عملی تھی جس پر عمل پیرا ہو کر آپ ﷺ نے زمانے کی تقدیر بدل کر رکھ دی تھی۔ امنِ عامہ کا قیام، سیاسی اور معاشی استحکام، سماجی فلاح و بہبود اور رفاہِ عامہ، تعلیمی ترقی، مستحکم نظامِ تربیت، اخلاقیات اور معاشرتی رکھ رکھاؤ، اندازِ حکمرانی غرض مدنی معاشرت کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کر دینا اور ان مستحکم بنیادوں کو نمایاں کر دینا جن پر اس معاشرے کی اٹھان ہوئی وقت کی اہمت ترین ضرورت ہے۔

۲. دورِ جاہلی کا عرب سماج

عہدِ نبوی کے معاشرے کو سمجھنے اور جنابِ نبی کریم ﷺ کی طرف سے نافذ کردہ اصلاحات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ دورِ جاہلیت کے عرب سماج پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے، بعثتِ نبوی سے قبل کے عرب معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کا ہلکا سا نقشہ کھینچ دیا جائے تا کہ ان بنیادوں کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکے جن پر عہدِ نبوی میں مدنی معاشرے کی اٹھان ہوئی۔

۲.۱ جزیرہ نمائے عرب اور مختلف نظریات

بعثت سے قبل کے عرب معاشرے میں خدا اور خدائی کے بارے میں مختلف نظریات رکھنے والے تین بڑے گروہ یا نقطہ ہائے نظر موجود تھے۔ مکہ، طائف اور اس کے گرد و نواح میں مشرکین کی کثرت تھی، مدینہ منورہ میں یہود کے مختلف قبائل آباد تھے اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں نجران اور یمن کے علاقے تھے جہاں عیسائی مذہب کو امتیازی حیثیت حاصل تھی شمال میں بھی آلِ غسان نے شامی اور رومی مقبوضات کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے عربی النسل ہونے کے باوجود عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اپنے اپنے دائروں میں عرب سماج کی فکری اور اخلاقی تشکیل اور تہذیب و تمدن کو ایک خاص سطح تک لے جانے میں ان سبھی گروہوں کا کسی نہ کسی درجے میں کردار تھا۔

۲.۲ جاہلیت کا عرب سماج غیر ترقی یافتہ سماج

جاہلیت کا عرب سماج کوئی ترقی یافتہ سماج نہ تھا، وہ مرکزیت سے محروم چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے مختلف قبائل کا ایک مجموعہ تھا، طوائف الملوکی عام تھی، ہر قبیلہ خود اپنی ذات میں ایک مستقل حکومت کی حیثیت رکھتا تھا۔ پورا معاشرہ آزاد اور غلام، امیر اور فقیر، کمزور اور طاقتور جیسے بے شمار طبقات میں بٹا ہوا تھا، بھوکوں اور پیٹ بھروں میں کشمکش اپنے عروج پر تھی۔ اپنے قبیلے کو دوسرے سے برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنے کا چلن عام تھا، قریشِ مکہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھنے کی وجہ سے مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے مزدلفہ سے آگے نہ جاتے تھے، صحیح بخاری میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں تفصیلی روایت مروی ہے جس میں قریشِ مکہ کی اس طبقاتی تقسیم کی مذمت کی گئی ہے[1] جب کہ قرآنِ کریم نے بڑے واضح الفاظ میں سب کو ایک ہی طرح سے وقوف کی تاکید کرتے ہوئے اس طبقاتی تقسیم کے خاتمے کا اعلان فرمایا ہے۔[2]

---

[1] بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الامام، **الجامع الصحیح**، (بیروت، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۶:۲۷.

[2] البقرۃ، ۲:۱۹۹۔

۲.۳ عربوں کے بعض اچھے اوصاف اور ان کا غلط استعمال

عربوں کے کچھ اچھے اوصاف بھی تھے۔ وہ فصیح اللسان تھے، زبان دانی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، شعر گوئی تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی، آزادی انہیں جان سے زیادہ عزیز تھی، وہ نڈر اور بہادر سمجھے جاتے تھے، وہ بات کے کھرے اور زبان کے سچے تھے، وہ حق گوئی سے بالکل بھی نہ گھبراتے تھے، وہ اپنے حلفاء اور پڑوسیوں سے وعدے وفاء کیا کرتے تھے۔ یہ سارے اوصاف موجود تھے لیکن انہیں برمحل مثبت رخ پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ان کے لیے وبال بن گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے متصف ہونے کے باوجود وہ اندرونی طور پر خلفشار اور خانہ جنگی کا شکار رہتے تھے۔ ان کی فصاحت اور زبان دانی اپنے آباء پر فخر اور دشمنوں کی مذمت سے شروع ہوتی اور عورت ذات کے محاسن اور خامیوں کے بیان پر ختم ہو جاتی تھی، شراب بھی ان کی شعر گوئی کا محور تھی[۳]، بہادری اور دلیری کا نتیجہ اندھی عصبیت کی صورت میں نکلا تھا، اپنا حلیف اور قبیلہ اگرچہ ظالم بھی ہوتا تب بھی اس کی مدد کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، خداداد ذکاء اور سمجھداری کو مکر و فریب اور دھوکا دہی کے لیے استعمال کیا کرتے تھے، قوت اور طاقت کو اپنی خواہشات پوری کرنے کا وسیلہ بنا رکھا تھا۔[۴]

۲.۴ بت پرست عرب اور ان کے مابعد الطبیعاتی نظریات

وہ شرک اور بت پرستی کے دلدادہ تھے، کلبی نے کتاب الاصنام میں لکھا ہے کہ: "جب کوئی شخص دورانِ سفر کسی جگہ پڑاؤ کے لیے ٹھہرتا تو سب سے پہلے چار پتھر ڈھونڈلاتا، ان میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت پتھر ہوتا اسے اپنا خدا بنا لیتا اور باقی کے تین پتھر چولہا بنانے میں استعمال ہو جاتے، جب کوچ کا ارادہ کرتا تو اپنا سارا سامان سمیٹ کر رختِ سفر باندھتے ہوئے ان چاروں پتھروں کو وہیں پھینک جاتا، سفر کے دوران جہاں جہاں بھی پڑاؤ کرنا ہوتا وہ یہی عمل دہراتا رہتا[۵]"۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو رجاء عطاردی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ہم پتھروں کو پوجا کرتے تھے، جب ہمیں پہلے سے موجود پتھر سے بہتر کوئی پتھر مل جاتا تو پہلے کو پھینک کر دوسرے کو خدا بنا لیتے، جب ہمیں کوئی بھی پتھر نہ ملتا تو مٹی جمع کر کے ایک ڈھیری سی بناتے اور ایک بکری کا دودھ اس پر دھو کر اس ڈھیری کے گرد طواف شروع کر دیتے تھے۔[۶] آخرت کا کوئی دھندلا سا تصور بھی ان کی اکثریت کے ہاں موجود نہ تھا، قرآن نے بھی ان کے انکارِ معاد کے تصور کو جگہ جگہ بیان کیا ہے[۷]، قاضی صاعد نے آخرت کے بارے میں ان کے تصور کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "ان کی اکثریت تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی انکاری تھی، لیکن ان میں سے بعض آخرت پر یقین رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ اگر میت کی قبر پر اونٹنی ذبح کر دی جائے تو میت اس پر سوار ہو کر محشر میں حاضر ہو گی جب کہ دوسروں کو پیدل ہی حاضر ہونا ہو گا۔[۸]

---

[۳] دیکھیے: شوقي الضيف، أحمد شوقي عبد السلام، **تاريخ الأدب العربي العصر الجاهلي**، (الموضوعات، دار المعارف)، ۱:۱۹۵۔

[۴] مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، (دار الساقی، ۲۰۰۱م)، ۷:۳۹۲۔

[۵] دیکھیے: الکلبي، أبو المنذر هشام بن محمد أبي النضر، **كتاب الأصنام**، (دار الكتب المصرية–القاهرة، ۲۰۰۰م)، ۱:۳۳۔

[۶] البخاري، الجامع الصحيح، ۵:۱۷۱۔

[۷] دیکھیے: الاسراء، ۱۷:۴۹، المؤمنون، ۲۳:۳۷، الجاثیۃ، ۴۵:۲۴۔

[۸] القاضي صاعد، أبو القاسم صاعد بن أحمد الأندلسی، الامام، **كتاب طبقات الأمم**، (نشرہ: **الأب لويس شيخو اليسوعي، المطبعة الكاثوليكية للآباء اليسوعيين**، بيروت، ۱۹۱۲م)، ۱:۴۶۔

۲.۵ عرب معاشرے میں فقر و افلاس اور کسمپری کی عمومی فضا

بعثت سے قبل کے عرب سماج میں فقر و فاقہ اور افلاس کا یہ عالم تھا کہ چوک چوراہوں سے لے کر بادشاہوں کے درباروں تک میں فقراء اور منگتوں کا ایک رش سا لگا ہوا تھا، نہ صرف یہ کہ وہ انفرادی طور پر بھیک مانگا کرتے تھے بلکہ فقراء کی انتہائی منظم اور مستحکم یونینز بنی ہوئی تھیں، صعالیک الشعراء کے نام سے جاہلی ادب کی پوری ایک تاریخ ہے، ان فقراء یونینز کے کئی ایک نامی گرامی شعراء گزرے ہیں، شنفری، تابط شرا، سلیک بن سلکۃ، قیس بن الحدادیۃ، وغیرہ کا شمار انہی صعالیک یونینز میں ہوتا تھا، عروۃ بن الورد شعراء میں ایک معروف نام ہے جسے ایک یونین کا صدر اور منتظم اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل تھا، اگرچہ عروہ کے اس یونین کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ فقر اور کسمپرسی نہ تھی لیکن وہ ان کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر جواد علیؒ نے اپنی کتاب المفصل میں اس موضوع پر عمدہ تفصیلات مہیا کی ہیں۔[9]

۲.۶ اخلاقیات سے عاری معاشرتی زندگی

ان کی معاشرتی زندگی میں کوئی دینی یا اخلاقی رکاوٹ ایسی نہ تھی جو انہیں برائی اور بے حیائی سے روک سکتی، ان میں طرح طرح کی روحانی اور اخلاقی بیماریاں جڑ پکڑ چکی تھیں، وہ شراب پیتے اور جوا کھیلا کرتے تھے، زنا عام تھا، سود کا لین دین کیا کرتے تھے، علامہ قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

> "جاہلیت میں انسان اپنے مال اور اہل و عیال تک کو جوئے میں لگا دیتا اور جب اپنی کمائی پر دوسروں کو عیش کرتے دیکھتا تو دل میں دشمنی اور بغض کے جذبات پروان چڑھا کرتے تھے"[10]، زنا کو نکاح کا نام دے رکھا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہمیں نکاح کی کئی اقسام نظر آتی ہیں، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جاہلیت میں رائج نکاح کی چار اقسام کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[11]

لڑائی اور قتل و غارت کی محبت تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، لڑائی جھگڑے کے لیے اگر کوئی دشمن نہ ملتا تو شوق پورا کرنے کے لیے اپنے حلیف قبیلوں پر ہی حملہ آور ہو جایا کرتے تھے، قطامی نے اپنے ایک شعر میں اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "کبھی کبھی ہم اپنے برادر قبیلہ بنو بکر پر ہی حملہ آور ہو جاتے ہیں، جب لڑائی کے لیے اپنے بھائی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملتا[12]"، ان کی زندگی ایک عجیب اضطراب اور خوف کی سی کیفیت میں گذرتی تھی۔ الغرض اس وقت کا عرب سماج ایسے خام مال کی مانند تھا کہ جس پر کسی ماہر کاری گر کی نظر نہ پڑی تھی، ظلم و جور کا طوفان انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے لیکن وہ سمندر کنارے پڑے لکڑی کے ان تختوں کی طرح تھے جو ابھی تک کسی ماہر بڑھئی کی دسترس میں نہ آئے تھے کہ وہ ان سے ایک اچھی کشتی تیار کر سکے۔[13]

---

[9] ڈاکٹر جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب**، ۷: ۴۱۲۔

[10] الطبري، أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الآملي، الامام، **جامع البيان في تأويل القرآن**، (مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۰)، ۱۰: ۵۷۳.

[11] البخاري، **الجامع الصحيح**، کتاب النکاح، باب من قال: لا نکاح إلا بولي، ۷: ۱۵.

[12] أبو تمام، حبيب بن أوس، ديوان الحماسة، ۱: ۲۸، يحيى بن علي الشيباني التبريزي، **شرح ديوان الحماسة**، (دار القلم–بيروت)، ۱: ۱۳۰.

[13] دیکھیے: الندوي، السيد أبو الحسن علي بن عبد الحي، **ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين**، (مكتبة الإيمان، المنصورة–مصر)، ۱: ۷۸.

۳۔ بعثتِ نبوی ﷺ اصلاحات کا نقطہ آغاز

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور تشریف آوری نے انسانیت کو نئی زندگی دی، نئی روشنی، نئی حرارت نئی تہذیت اور نیا تمدن عطا کیا۔ جاہلیت اور اسلام کے درمیان موجود فاصلے سے بڑھ کر کوئی فاصلہ نہ تھا، لیکن آپ ﷺ کی باکمال قیادت اور گلہ بانی سے سالوں اور صدیوں کا یہ فاصلہ دنوں اور مہینوں میں طے ہو گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دے کر طاغوت اور معبودانِ باطلہ کے انکار کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے افکار اور نظریات پر محنت فرمائی۔ آج کے ترقی یافتہ سماج کہلائے جانے والے سماج میں بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں کسی کی سوچ، فکر اور نظریے کو تبدیل کر دینا مشکل ترین کاموں میں سے ایک خیال کیا جاتا ہے، چہ جائیکہ وہ نظریہ دین سمجھ کر اختیار کیا گیا ہو۔ آپ ﷺ نے کمال حکمت عملی سے لوگوں کو دین سمجھ کر اختیار کیے گئے غلط نظریات سے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی لگن، انتھک محنت اور لیڈر شپ کا کمال تھا کہ لوگوں سے ان دیکھے خدا کو تسلیم کروا کر زمانے کی تقدیر بدل دی۔ یہی وجہ ہے کہ مکی تیرہ سالوں میں جنابِ نبی کریم ﷺ نے مسلسل توحید، رسالت اور آخرت پر یقین کی دعوت پوری جراءت کے ساتھ دی اور مخالفت کی تند و تیز سیاہ آندھیوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی دعوتِ توحید پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جس ریاست کو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشکیل دیا گیا اس کی فکری بنیادیں مکہ مکرمہ میں رکھ دی گئی تھیں، ہجرت کے بعد نافذ کردہ اکثر و بیشتر اصلاحات کے سوتے عہدِ مکی سے ہی پھوٹتے ہیں۔ ہم بحث کے باقی ماندہ حصے میں عہدِ نبوی ﷺ میں مدنی معاشرے کی بعض بنیادوں اور جنابِ نبی کریم ﷺ کی طرف سے نافذ کردہ بعض اصلاحات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

۳.۱ امنِ عامہ کا قیام

امن کسی بھی سماج اور معاشرے کی ترویج و ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدامنی اور خلفشار کا شکار قومیں کبھی بھی سیاسی اور معاشی استحکام حاصل نہیں کر سکتیں۔ پر امن معاشروں میں تہذیب و تمدن کو پنپنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ جنابِ نبی کریم ﷺ نے اپنی محنت میں قیامِ امن کو خاص اہمیت دی ہے۔ آپ ﷺ نے بندہ مؤمن کی تعریف ہی ایسے کی کہ جس سے دوسرے لوگ امن اور سکون میں رہیں، فرمایا: "مؤمن تو وہی ہے جس سے لوگ امن میں رہیں، اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"[۱۴]، اور مہاجر وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، وہ شخص جنت میں نہ جا سکے گا جس کی ایذاء سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو[۱۵]"، امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ: "بندہ مؤمن تو محبتوں کا مرکز ہوا کرتا ہے اور اس شخص میں کوئی خیر نہیں ہے جو نہ تو خود محبت کرتا ہے اور نہ ہی اس سے محبت کی جاتی ہے۔[۱۶]

جنابِ نبی کریم ﷺ نے اپنے معاشرے میں قیامِ امن کے لیے بنیادی طور پر تین اہم پہلوؤں سے اصلاحات کیں، امنِ عامہ کی شاندار عمارت تین اہم بنیادوں پر تعمیر کی گئی، جن کا ہم مختصر ذکر کیے دیتے ہیں۔

---

[۱۴] البخاري، **الجامع الصحيح**، ۸:۱۰۲.

[۱۵] الحاكم، أبو عبد الله محمد بن عبد الله، الامام، **مستدرک الحاکم** (دار الكتب العلمية–بيروت، ۱۴۱۱ھ)، ۱:۵۵.

[۱۶] الشيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، الامام، **مسند الإمام أحمد**، (مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱م)، ۱۵:۱۰۶.

۳.۲ سوچ، تصورات اور نظریات کی تبدیلی

سب سے پہلے آپ ﷺ لوگوں کی سوچ اور تصورات پر محنت فرمائی، معاشرے میں رائج غلط تصورات کی بیخ کنی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کا بھی اہتمام فرمایا، منفی سوچ کی جگہ مثبت اور تعمیری سوچ کو پروان چڑھایا، افکار اور تصورات پر محنت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے مشرک عرب کے عقائد، نظریات، دنیا کی حقیقت کے بارے میں ان کی سوچ اور تصورات کو یکسر بدل کرر کھ دیا تھا۔ فکری تبدیلی کے اس مرحلے میں اکثر و بیشتر پہلی اصطلاحات اور تصورات کی جگہ نئے عقائد اور نظریات نے لے لی تھی۔ مثلا: توحید، رسالت، معاد، جنت جہنم، ثواب اور عذاب، یہ سبھی نئی اصطلاحات اور جدید تصورات تھے۔ تبدیلی کے اس مرحلے میں بعض دفعہ ایسے بھی ہوا کہ پہلے سے موجود نعروں اور اصطلاحات کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں اسلامی لبادہ اوڑھا دیا گیا، نعرہ وہی رہا لیکن تشریحات بدل دی گئیں، جیسے جاہلی عرب میں یہ بات عقیدے کی حد تک مسلم تھی کہ: بھائی اور اپنا قبیلہ چاہے ظالم ہی کیوں نہ ہو اس کی مدد ضرور کرنی ہے، وہ ظالم کو تقویت پہنچا کر اس کی مدد کیا کرتے تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے انہی الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا: "انصر أخاك ظالما أو مظلوما". اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو یا مظلوم، بخاری میں ہے کہ اس پر ایک صاحب تعجب سے پوچھنے لگے کہ مظلوم کی مدد تو کریں گے ہی کریں گے، لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دیں، یہی اس کی مدد ہے[۱۷]۔ آپ ﷺ کی یہ تشریح زبانِ نبوت سے جاہلیت کے خاتمے کا اعلان تھی۔ جب دنیا کی حقیقت کے بارے میں ان کے تصورات ہی بدل گئے اور ان کے سوچنے کا انداز تعمیری ہو گیا تو اس چیز نے امنِ عامہ کو پنپنے کے خوب مواقع فراہم کیے۔

۳.۳ ریاست کی ہمدردیوں کا محور مظلوم اور کمزور طبقات

قرآنِ کریم نے جنابِ نبی کریم ﷺ کی طرف سے نافذ کردہ معاشرتی اصلاحات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ[۱۸]"، کہ آپ ﷺ نے کمزور اور ظلم کی چکی میں پسے ہوئے مختلف طبقات کو نئی زندگی عطا کی، ان کے بوجھوں کو اتار دور پھینک دیا اور ان بیڑیوں کو توڑ ڈالا ہے جن میں صدیوں سے یہ طبقات بندھے چلے آرہے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت خاتون مظلوم تھی، غلاموں کو انسان تک نہ سمجھا جاتا تھا، رنگ و نسل کی بنیاد پر تفریق موجود تھی، محنت کشوں اور مزدوروں پر عرصہ حیات تنگ تھا۔ آپ ﷺ ان تمام مظلوم طبقات کی آواز بنے اور سماج کی تشکیلِ جدید میں لوگوں کو اس پر بات پر تیار کیا کہ وہ اپنے حقوق کے مطالبے سے زیادہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر کریں۔

حضرت محمد ﷺ نے عورت کو جینے کا حق دیا۔ بعثت سے قبل خواتین کو معزز زندگی گزارنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بچی کی ولادت پر اس سماج کا ردِ عمل کیا ہوتا تھا؟ قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ: "جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے،

---

[۱۷] البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، الجامع المسند الصحيح، ۲۲:۹.

[۱۸] الاعراف، ۷:۱۵۷۔

سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ خدا کے بارے میں لگاتے ہیں[19]"۔ صحیحین کی ایک روایت میں امام بخاری و مسلمؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ نقل کیا ہے جس میں وہ کھلے لفظوں اس حقیقت کا اعتراف فرما رہے ہیں کہ: "**والله إن كنا في الجاهلية ما نعد للنساء أمرا، حتى أنزل الله فيهن ما أنزل، وقسم لهن ما قسم**[20]"، یعنی ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کسی شمار میں نہ لایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں قرآنِ کریم کی کئی ایک آیات نازل فرما کر انہیں عزت اور وقار کی زندگی جینے کا حق عطاء فرما دیا۔

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد خواتین کے بارے میں عرب سماج میں آنے والی مثبت تبدیلی کو ایک عرب شاعر جزء بن کلیب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، جب ابنِ کوز نامی شخص نے جزء بن کلیب شاعر کو اس کی بیٹی کے رشتہ کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا تو اس نے یہ کہتے ہوئے رشتہ دینے سے انکار کر دیا کہ: جب سے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے ہیں لوگوں نے بچیوں کی پرورش شروع کر دی ہے؛ یعنی میں تو آپ کو رشتہ نہیں دے سکتا لیکن آپ کو بھی گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو کسی دوسری جگہ سے آسانی سے رشتہ مل جائے گا اس لیے کہ اب لوگوں نے آپ ﷺ کی برکت سے بچیوں کو زندہ در گور کرنا چھوڑ دیا ہے[21]۔ یہ وہ حقیقی تبدیلی تھی جو آپ ﷺ عرب سماج اور پوری انسانیت کے لیے لے کر تشریف لائے تھے۔

غلاموں کو آزاد لوگوں کے برابر بیٹھنے اور ان جیسا لباس پہننے کی اجازت نہ تھی۔ نسل در نسل غلامی نے ایک بہت بڑے طبقے کو احساسِ محرومی کا شکار کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے غلام، نوکر اور اپنے ماتحتوں میں سے ہر ایک کو حقوق عطا فرمائے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں خود حضرت ابو مسعود کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی بات پر میں نے اپنے غلام کو زدو کوب کی، میں اسے مار رہا تھا کہ میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: خبردار ابو مسعود! خبردار ابو مسعود! فرماتے ہیں کہ غصے کی شدت کی وجہ سے میں کچھ سمجھ نہ سکا، جب آواز کچھ قریب ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ہیں اور مجھے خبردار فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ کو دیکھنا تھا کہ کوڑا میرے ہاتھ سے گر گیا، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، خبردار ابو مسعود! تمہارے اس غلام پر قدرت رکھنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قادر ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ: آئندہ سے کسی غلام کو بھی نہ ماروں گا[22]۔ مسلم کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فوراً غلام کو آزاد کر دیا، جس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی[23]۔ غلاموں کے حقوق کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت ہے کہ: اگر کسی نے اپنے غلام کو زدو کوب کی یا اسے مارا پیٹا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔[24]

---

[19] النحل،۱۶:۵۸-۵۷۔

[20] البخاري، **الجامع الصحيح**،۶:۱۵۶۔

[21] دیکھیے: ضياء الدين ابن الأثير، الامام، **المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر**،(دار نهضة مصر للطبع والنشر، الفجالة—القاهرة)،۱:۷۵۔

[22] مسلم بن الحجاج، أبو الحسن، الامام، **الجامع الصحيح**،(دار إحياء التراث العربي)،۳:۱۲۸۰۔

[23] دیکھیے: مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحيح**،۳:۱۲۸۱۔

[24] مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحيح**،۳:۱۲۸۱۔

۳.۴　حدود اور تعزیرات کا نفاذ

معاشرے کو پرامن بنانے اور اس کے امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے حدود و تعزیرات کا نفاذ اسلام کی نذر میں بے حد ضروری ہے۔ حدود سے مراد وہ سزائیں جو شارع کی طرف بعض جرائم اور محرمات کے ارتکاب پر طے کی گئی ہیں[۲۵]، جب کہ تعزیرات سے مراد ان جرائم پر ملنی والی سزائیں جن پر شارع نے کوئی حد متعین نہیں کی[۲۶]، حد ہو یا تعزیر وہ جرم کے ارتکاب پر ہی نافذ کی جاتی ہے اور جرم سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف منع کردہ کسی بھی ایسے فعل کا ارتکاب جس پر حد یا تعزیر نافذ ہو سکتی ہو[۲۷]۔ جس طرح اچھے کاموں کی ترغیب اسلام کا مزاج اور حضور نبی کریم ﷺ کا اسوہ ہے اسی طرح برے کاموں سے ڈرانا تاکہ لوگ ان کے قریب نہ آسکیں، اسلام نے اس پہلو کو پیشِ نظر رکھ کر بھی سماج اور معاشرے کی تعمیر کی ہے۔ مزاج اور نفسیات کے مختلف ہونے کی وجہ سے بعض لوگ ترغیب اور بعض ترہیب سے راہِ راست پر آتے ہیں۔ صرف ترغیب سے اعتدال اور توازن قائم نہیں کیا جاسکتا۔ حدود اور تعزیرات کا نفاذ ہی معاشرے میں توازن کو قائم اور برقرار رکھ سکتا ہے، لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کے تحفظ کے لیے بھی حدود و تعزیرات کا نفاذ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام نے چھوٹی بڑی ہر قسم کی کوتاہی پر حدود نافذ نہیں کیں، بلکہ بعض متعین جرائم پر ہی حدود کی بات کی ہے۔ ایسے بڑے بڑے جرائم جن کی وجہ سے عدمِ استحکام اور معاشرے کے اپنے توازن کو کھو بیٹھنے کا اندیشہ ہو، جیسے: قتل، زنا، شراب نوشی، پاکدامن خواتین پر جھوٹی تہمت اور چوری وغیرہ سزاؤں پر حدود نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ دیگر بہت سے جرائم کی سزاؤں کا معاملہ حکام اور اولوالامر کے سپرد کر دیا ہے۔ حدود اور تعزیرات کے نفاذ کی کئی ایک عملی مثالیں ہمیں قرآن، سنت اور ذخیرہ احادیث سے ملتی ہیں۔ ان سزاؤں سے مقصود کسی کی اہانت یا بے توقیری نہیں بلکہ معاشرے کے امن و امان اور استحکام کو برقرار رکھنا ہے۔

۴.　سیاسی استحکام

جناب نبی کریم ﷺ نے قیامِ ریاست کے وقت مملکت کی داخلی اور خارجی سیاست پر خصوصی توجہ دی، آپ ﷺ نے اپنے سماج کو سیاسی اور معاشی طور پر مستحکم کرنے کے لیے انتہائی مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ سیاسی استحکام کے لیے قبائلی نظام کی بجائے جزیرہ نمائے عرب میں ایک نئے تصور کے ساتھ مرکزیت کے قیام کا اعلان فرمایا، مدینہ منورہ اس ریاست کا مرکز قرار پایا، آپ ﷺ کی طبیعت ہمیشہ صلح جو رہی، اپنے دوستوں کی تعداد میں اضافہ شروع دن سے ہی آپ کی سیاسی حکمتِ عملی کا لازمی حصہ رہا، یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اوس پڑوس میں موجود بہت سے قبائل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے کئی ایک سفارتیں بھیجی گئیں، جن کا تذکرہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **"مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة"** میں کیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے داخلی امن کو قائم کرنے کے لیے یہودِ مدینہ اور مدینہ کے دیگر غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کیے۔ مدینہ کے داخلی استحکام کے لیے یکے بعد دیگرے یہود کے سبھی قبائل کے ساتھ معاہدات کیے گئے۔ سیاسی استحکام میں مذہبی آزادی کو بھی بڑا عمل دخل تھا، آپ ﷺ اپنے حلیف اور جو کوئی بھی اس سماج کا حصہ بنتا اسے مکمل مذہبی آزادی فراہم کرتے، یہی وجہ ہے کہ میثاقِ مدینہ میں یہودِ

---

[۲۵] دیکھیے: الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد، **الأحكام السلطانية**، (دار الحديث–القاهرة)، ۱: ۳۲۵.

[۲۶] دیکھیے:: الماوردي، **الأحكام السلطانية**، ۱: ۳۳۱.

[۲۷] دیکھیے: ابن منظور، **لسان العرب**، ۴: ۵۶۱.

مدینہ کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کی گئی، یہود کو اپنے دین اور مذہب کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی مکمل آزادی حاصل تھی[۲۸]۔

جزیرہ نمائے عرب کو سیاسی طور پر مستحکم کرنے کی ہی لگن تھی کہ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے ظلم وجور کے باوجود حدیبیہ میں صلح کی پیشکش کو کھلے دلوں قبول فرمالیا، بعض صحابہ کرام کو تشویش بھی ہوئی کہ ظلم وزیادتی کے اتنے پہاڑ توڑے جانے کے باجود ہم زیر ہو کر صلح کیوں کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ حیران ہو کر جنابِ نبی کریم ﷺ سے پوچھنے لگے کہ: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارا مقتول جنتی اور ان کا دوزخی نہیں ہے؟ اس سب کے باوجود ہم اپنے دین کے معاملے میں ذلت کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اے ابن الخطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کریں گے"، امام بخاری کے بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہی سوالات کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھی تشریف لے گئے، انہوں نے بھی آپ ﷺ کی بات دہرادی، اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح نازل کی تو جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی تو پوچھنے لگے کہ: کیا یہ (صلح) فتح ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جی ہاں[۲۹]"، گویا حقیقی فتح صلح اور قیامِ امن میں ہی پوشیدہ ہے۔

۵. معاشی اور معاشرتی استحکام

مستحکم معیشت اور تمام معاشرتی اکائیوں کی وحدت کے بغیر خود کفالت ناممکن ہے، دوسروں کا دست نگر بن کر امنِ عامہ اور سیاسی استحکام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ معاشی استحکام حضور نبی کریم ﷺ کی اولین ترجیحات میں شامل تھا۔ آپ ﷺ کی بڑی بڑی معاشی اصلاحات میں دولت کی منصفانہ تقسیم شامل تھی جس کے لیے زکات اور صدقات کا نظام متعارف کروایا گیا، لوگوں کو اعتدال کے ساتھ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا۔ کام کاج اور محنت مزدوری کی بات کر کے خود کفالت اور اپنے اوپر انحصار کی ترغیب دی گئی۔ تجارت اور اچھے تاجر کے فضائل ذکر کر کے لوگوں کو پاکیزہ اور صحت مند روزگار کی طرف متوجہ کیا گیا تاکہ معاشرہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر خود کفیل ہو سکے۔ معاشرے کے اصحاب ثروت اور مال دار طبقے میں ایثار اور کمزور طبقات میں خودداری کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی۔ خرچ کرنے میں اعتدال کی تعلیم دی کر کنزیومرازم کے آگے بند باندھ دیا گیا۔

۵.۱ دولت کی منصفانہ تقسیم میں صدقات کا کردار

حضور نبی کریم نے کمالِ حکمت سے دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے محفوظ رکھا، بلکہ پہلے سے سمٹی ہوئی دولت کی منصفانہ تقسیم کا آغاز فرمایا، قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں اسلام کے معاشی نظام کی خصوصیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دولت کی یہ تقسیم اس لیے ہے: "كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ"، تاکہ وہ تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔ دولت کی منصفانہ تقسیم میں جس اسلامی ٹول نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا وہ اسلام کا نظام بیت المال یا زکات وصدقات کا نظام ہے۔

---

[۲۸] دیکھیے: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ**، (دار النفائس–بیروت، ۱۴۰۷ھ)، ۱:۶۱۔

[۲۹] دیکھیے: البخاری، **الجامع الصحیح**، ۴:۱۰۳۔

حضور نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں خرچ کرنے کی روح اس درجہ پھونک دی تھی کہ امیر تو امیر، غریب صحابہ کرام بھی بڑھ چڑھ کر خرچ کیا کرتے تھے۔ وہ محنت مزدوری کرتے اور راہِ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ہمیں صدقہ کا حکم فرماتے تو کچھ ایسے بھی ہوتے جو بازار چلے جاتے، محنت مزدوری کرتے، بوجھ اٹھاتے، ایک مد تک کمالیتے اور راہِ خدا میں خرچ کر دیا کرتے تھے[30]، علامہ ابن جریر طبریؒ نے سورۃ توبہ کی آیت ۷۹ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابو عقیل عبد الرحمٰن بن سحبان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ انصاری صحابی تھے، کوئی بہت زیادہ مالدار نہ تھے بلکہ نادار عیال دار صحابہ کرام میں ان کا شمار ہوتا تھا، پاس کچھ نہ ہونے کے باوجود خرچ کرنے کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک مرتبہ رات بھر کنویں سے کھینچ کھینچ کر ایک باغ کو پانی لگاتے رہے جس پر انہیں دو صاع کھجوریں اجرت میں ملیں، انہوں نے کھجوروں کو دو حصوں میں بانٹا، ایک گھر والوں کے لیے اور دوسرا حصہ لے کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ یہ میری رات بھر کی محنت مزدوری کا ثمر ہے، آپ ﷺ نے قبول فرماتے ہوئے اموالِ صدقہ میں رکھ دینے کا حکم ارشاد فرمایا[31]۔ یہ حقیقت ہے کہ جس قوم اور معاشرے میں نیکی اور خیرات کا جذبہ عوام کی کمزور ترین معاشی سطح تک پہنچ جائے وہاں معاشی استحکام آتے کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی، فلاح و بہبود اسے ہر جانب سے گھیر لیا کرتے ہیں۔

۵.۲　ایثار اور خودداری

حضور نبی کریم ﷺ نے معاشرے کی ہر سطح پر ایثار کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اس سماج کا امیر ایثار کرنے والا اور غریب خودداری اور عزتِ نفس سے مالا مال تھا۔ قرآنِ کریم نے صحابہ کرام کے جذبہ ایثار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[32]"، یعنی وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہوں۔ خودداری اور عزت نفس کو ان الفاظ میں یاد کیا گیا ہے کہ: "لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا[33]"، یعنی وہ ایسے نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خرچ کرنے والے ہاتھ کو نیچے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

ایثار اور خودداری کا خوبصورت امتزاج ہمیں ہجرت کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما کے مؤاخات والے واقعہ میں نظر آتا ہے، جب جنابِ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں حضرات کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا، امام بخاریؒ کے الفاظ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل فرما رہے ہیں کہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ ان کے لیے اپنے مال کے دو حصے کر دیتے ہیں جن میں ایک حصہ وہ لے لیں اور ایک ان کے لیے رہنے دیں اور ان کی جس اہلیہ سے چاہیں شادی کر لیں؛ اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس کی بجائے مجھے بازار

---

[30] البخاري، **الجامع الصحيح**، ۱۰۹:۲۔

[31] دیکھیے: الطبری، **جامع البیان فی تاویل القرآن**، ۳۸۸:۱۴۔

[32] الحشر، ۹:۵۹۔

[33] البقرة، ۲۷۳:۲۔

کا راستہ دکھا دیں، وہ دن بھر محنت مزدوری کرتے رہے اور شام کو پنیر کا ایک ٹکڑا اور کچھ گھی اجرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ آپ نے محنت مزدوری کر کے اتنی دولت کما لی تھی کہ ایک خاتون سے شادی کر لی اور مہر میں کچھ سونا بھی ادا کیا[۳۴]۔

حضرت عبد الرحمنٰ بن عوف رضی اللہ عنہ نے سہولت اور آسانی کے ساتھ ملنے والی دولت پر اپنی عزتِ نفس اور محنت مشقت والی کمائی کو ترجیح دی؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کے قائم کردہ سماج میں اگر مالدار میں ایثار تھا تو کسمپرسی کا شکار حضرات خودداری اور عزتِ نفس کا استعارہ تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ایسے ہی اقدامات تھے جن کے نتیجے میں دولت معاشرے میں ایک اعتدال کے ساتھ گردش کرنے لگی تھی۔

۵.۳　رفاہِ عامہ اور معاشرتی فلاح و بہبود

حضور نبی کریم ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہ انفاق بیسڈ معاشرہ تھا۔ آپ ﷺ بذاتِ خود بہت بڑے سماجی خدمت گزار تھے۔ نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ ﷺ خدمتِ خلق اور ضرورت مندوں کے کام آنے کے حوالے سے اپنی ایک شناخت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے گھبراہٹ کی کیفیت میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے جن الفاظ سے آپ کو تسلی دی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ ﷺ رفاہِ عامہ اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں کہ: خدا کی قسم آپ کا پروردگار آپ کو کبھی بھی تنہا نہ چھوڑے گا؛ اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، کمائی کر کے دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور ہر مصیبت و پریشانی میں آپ بہترین معاون اور مددگار ہوتے ہیں[۳۵]، بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ایک قریشی سردار ابن الدغنۃ نے یہ الفاظ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی استعمال کیے ہیں[۳۶]، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف آپ ﷺ بلکہ آپ کے تربیت یافتہ افراد میں بھی خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں بھی آپ ﷺ بطورِ سماجی خدمت گزار کے معروف ہو چکے تھے، مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں اگر کہیں قحط یا غذائی قلت کا سامنا ہوتا تو مسجدِ نبوی اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سب سے پہلا ٹھکانہ اور جائے پناہ ہوتی تھی۔ آپ ﷺ مختلف طریقوں سے لوگوں کے کام آیا کرتے تھے، کبھی ایسے ہوتا کہ لوگوں کی جو ضروریات اور مطالبات ہوتے بعینہٖ انہیں پورا فرما دیتے، کبھی کسی دوسرے صحابی کے ذمہ لگا دیتے کہ ان کی ضرورت پوری کر دیں، آپ ﷺ سفارش بھی فرمایا کرتے تھے، کبھی وقتی ضرورت پوری کرنے کی بجائے آنے والے صاحب کو مستقل اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش فرماتے، اگر کچھ بھی نہ ہو سکتا تو کم از کم اسے دعاؤں سے ضرور نوازتے تھے۔ بنو غفار مدینہ منورۃ کے مضافات میں بسنے والا ایک قبیلہ تھا، ابو اسحاق ابراہیم بغدادیؒ نے اپنی کتاب اکرام الضیف میں حضرت ابو بصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ کی زبانی قبیلہ بنو غفار کے قبولِ اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے، حضرت ابو بصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسے ہوا کہ ہمارے قبیلے میں قحط پڑ گیا اور بارشیں ہونا بند ہو گئیں، بڑی کسمپرسی کی حالت تھی، ہم نے مشورے سے آپس میں طے کیا کہ رسول اللہ

---

[۳۴] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۵:۶۹۔

[۳۵] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۱:۷۔

[۳۶] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۵:۵۸۔

ﷺ کے پاس مسجدِ نبوی جانا چاہیے، کھانے پینے کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا، فرماتے ہیں کہ ہم اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے، ہم اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے ہمارا تعارف پوچھنا چاہا جس پر ہم نے عرض کیا کہ: قبیلہ غفار سے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؟ ہم نے عرض کی کہ صابی اور غیر مسلم ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں اعلان فرمایا کہ: ہر ایک صحابی ایک ایک مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے، فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے حصے میں آیا، پھر صحابہ کرام اور جنابِ نبی کریم ﷺ کے حسنِ سلوک کی وہ تفصیلات ذکر کی ہیں جن کو دیکھ کر قبیلے کے سبھی افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب صبح آپ ﷺ کے ہمراہ مسجد پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے قبیلہ کے سبھی لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے بھی وہیں اسلام قبول کر لیا، دوسرا دن بھی ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ٹھہرے رہے اور آپ ﷺ ہماری میزبانی کرتے رہے[۳۷]۔

۵.۴ مانگنے والے کا تعاون مستقل روزگار کی صورت میں

حضور نبی کریم ﷺ کو جس سماج کی تشکیلِ جدید کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، ہم شروع شروع میں ذکر کر آئے ہیں کہ وہاں فقر و فاقہ عام تھا اور فقراء کی یونینز بنی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے آہستہ آہستہ کمالِ حکمتِ عملی سے معاشرے سے فقر اور مفلسی کا خاتمہ کیا۔ فقر و افلاس کے خاتمہ کے لیے آپ ﷺ نے کئی ایک طریقے اپنائے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ محتاج اور نادار لوگوں کو محنت مزدوری کا عادی بنا کر اپنے قدموں پر کھڑا کیا کرتے تھے، اس سے نہ صرف یہ کہ معاشرے سے ایک فقیر کم ہو جاتا بلکہ وہ دوسروں پر خرچ کرنے والا بن جاتا اور محنت مزدوری سے کمائی کر کے عزتِ نفس کے مجروح ہونے سے بھی محفوظ رہتا۔

سنن ابی داوٗد، ترمذی اور ابنِ ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ: انصار میں سے ایک صاحب جنابِ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے لیے حاضر ہوئے، وہ سائل بن کر آئے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: "گھر میں کچھ ہے؟"، انہوں نے جواب دیا کہ ایک ٹاٹ اور پیالہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لے آوٗ۔ جب وہ لے آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام میں اعلان کیا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا؟ ایک صاحب فرمانے لگے کہ میں ایک درھم میں خرید لوں گا، آپ ﷺ نے پھر اعلان کیا اور دو درھم میں وہ سامان فروخت کر دیا۔ وہ درھم مالک کو دیتے ہوئے فرمایا کہ مارکیٹ چلے جاوٗ اور ایک درھم کی اشیاء خورد و نوش خرید کر گھر والوں کو دو اور دوسرے درھم سے کلہاڑی کا پھالہ خرید کر میرے پاس لے آوٗ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، جب وہ پھالہ لے آئے تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ شفقت سے اس میں دستہ نصب کیا اور ان صاحب سے فرمایا کہ: "یہ لے جایئے، لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کیجیے اور پندرہ دن تک آپ مجھے نظر نہ آئیں"، وہ صاحب چلے گئے، لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچنا شروع کر دیں، ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے دس درھم کما رکھے تھے، جن سے انہوں نے کچھ کپڑے اور کھانے پینے کا سامان خرید لیا تھا۔ جب آپ ﷺ کو ان کی اس حالت کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ: "یہ

[۳۷] تفصیلات کے لیے دیکھیے: الحربي، ابو اسحاق ابراهیم، الامام، **اکرام الضیف**، (مکتبۃ الصحابۃ، طنطا، ۱۴۰۷ھ)، ۱:۴۲۔ اور الامام أحمد، المسند، ۴۵:۲۰۲۔

حالت آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ کل قیامت کے دن آپ اس حال میں حاضر ہوں کہ مانگنے کی وجہ سے آپ کے چہرے پر ایک نکتہ اور نشان لگا ہوا ہو[۳۸]"۔

۵.۵ رسول اللہ ﷺ کا سفارش کرنا

حضور نبی کریم ﷺ جس درجے میں بھی کسی کے کام آسکتے اس کی کوشش فرمایا کرتے تھے، کسی بھی خیر کے کام کو ہلکا نہ سمجھتے تھے، امام طبرانیؒ نے اپنی معجمِ اوسط میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> "اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سے سب سے محبوب وہ شخص ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو، اور اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ خوشی اور سکون ہے کہ جس کے کسی مسلمان کے دل میں اترنے کا ذریعہ آپ بنے ہوں، اس کی کسی تکلیف کو دور کرکے، یا اس کے قرض کو ادا کرکے، یا بھوک مٹا کر، میں اپنے کسی بھائی کی مدد کے لیے اس کے ساتھ جاؤں یہ مجھے اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی اس مسجد میں مہینہ بھر اعتکاف کروں[۳۹]"۔

خدمتِ خلق کا یہی جذبہ تھا کہ آپ ﷺ دوسروں کی خیر خواہی کے لیے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ہر ممکن طریقے سے دوسروں کو راحت پہنچانے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مغیث کے حق میں حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے سفارش کرنے کو نقل کیا ہے کہ حضرت بریرۃ نے جب حضرت مغیث سے الگ ہونے کا ارادہ کر لیا تو وہ مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے، آنسوؤں کے قطرات ان کی ڈاڑھی سے ٹپک رہے ہوتے تھے اور فریاد کیا کرتے تھے کہ کوئی بریرۃ سے میرے حق میں سفارش کر دے، حضور نبی کریم ﷺ نے کمالِ شفقت سے حضرت بریرۃ سے سفارش کر دی۔ حضرت بریرۃ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں تو سفارش ہی کر رہا ہوں"، حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے مغیث کے حق میں آپ ﷺ کی سفارش قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ: مجھے اس کی ضرورت نہیں[۴۰]۔ اس واقعہ سے جہاں ایک طرف ہمیں آپ ﷺ کی کمالِ شفقت کا پتہ چلتا ہے وہیں عورتوں کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ وہی عرب سماج ہے کہ جہاں آج سے چند سال قبل تک بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور آج یہ حالت ہے کہ ایک آزادہ کردہ باندی حضور نبی کریم ﷺ کی سفارش قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ حضرت بریرۃ کو مجبور کر سکیں، بلکہ وہ اپنا فیصلہ کرنے میں مکمل آزاد ہیں۔

آپ ﷺ اپنے سماج اور رعایا کو فلاح و بہبود کی اس معراج تک لے گئے کہ امام بخاریؒ کے بقول آپ ﷺ نے اپنی رعایا میں کھلے لفظوں یہ اعلان فرما رکھا تھا کہ: "**من ترك مالا فلورثته، ومن ترك كلا فإلينا**[۴۱]"، ایک دوسری روایت کے مطابق اعلان کے الفاظ یہ تھے: "**أنا أولى**

---

[۳۸] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، الامام، **السنن**، (المکتبۃ العصریۃ صیدا، بیروت)، ۲:۱۲۰۔

[۳۹] الطبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، الامام، **المعجم الاوسط**، (دار الحرمین–القاھرۃ)، ۶:۱۳۹۔

[۴۰] البخاري، **الجامع الصحیح**، ۷:۴۸۔

[۴۱] البخاري، **الجامع الصحیح**، ۸:۱۵۶۔

بالمؤمنين من أنفسهم، فمن توفي من المؤمنين فترك دينا فعلي قضاؤه، ومن ترك مالا فلورثته [۴۲]"، یعنی انتقال کے وقت میت اگر کچھ وراثت چھوڑ کر گئی تو وہ اس کے ورثاء کو ملے گی لیکن اس کے ذمے اگر کچھ قرض ہوا یا وہ کچھ لاوارث چھوڑ گیا تو وہ میرے در پر آجائیں، میں قرض بھی ادا کروں گا اور ان کی کفالت بھی کروں گا۔ آپ ﷺ نے امن، انصاف، دفاع اور لوگوں کے جان مال عزت آبرو کے تحفظ کے ساتھ ساتھ مستحق اور نادار لوگوں کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے لی تھی، اور یہ کفالت صرف اعلان کی حد تک نہ تھی بلکہ ہم پیچھے دیکھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ کمال حکمتِ عملی سے ایسا ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ ضرورت کے وقت لوگوں کی پہلی ترجیح دربارِ رسالت ہی ہوا کرتا تھا۔

۶۔ تعلیم اور تربیتِ نبوی کے گوناگوں مظاہر

آپ ﷺ نے مدنی معاشرے اور نئے سماج کی تشکیلِ جدید میں تعلیم و تربیت کو خاص اہمیت دی تھی، تعلیم اور تزکیہ نفس آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھے، قرآن نے آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات فرمائی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "جس طرح میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے [۴۳]"، آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر خود اپنے معلم ہونے کو بطورِ اعزاز کے ذکر کیا اور سیکھنے سکھانے والوں کے ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی، سنن ابنِ ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز آپ ﷺ اپنے مبارک حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے تو وہاں دو حلقے دیکھے، ایک ذکر کرنے والوں اور دوسروں علم کا مذاکرہ کرنے والوں کا، آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے دوسرے حلقے میں بیٹھ گئے کہ: "میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں"، حضور نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود معلمی کے منصب پر فائز ہو کر جہاں ایک طرف استاد کو عزت و تکریم بخشی وہیں یہ بھی واضح فرما دیا کہ مستحکم فکری بنیادوں پر کسی بھی سماج کی تشکیل کے لیے سیکھنے سکھانے کی اہمیت بہت زیادہ ہے، بدر کے قیدیوں سے سیکھنے سکھانے کی خدمت لے کر رہتی دنیا تک کے لیے جنابِ نبی کریم ﷺ نے تعلیم و تعلم کے ساتھ اپنے شغف اور وارفتگی پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی ہے۔

۶.۱ دارِ ارقم اور صفہ کی درس گاہیں

رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد دارِ ارقم اور ہجرت کے بعد مسجدِ نبوی میں صفہ کو اپنی تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، یہ دو جگہیں تو خالصۃً تعلیمی مراکز کے طور پر معروف تھیں لیکن سیکھنے سکھانے کا عمل ان کے علاوہ بھی جاری رہتا تھا۔ نمازِ فجر کے بعد آپ ﷺ کا مصلیٰ، خطبات میں آپ ﷺ کا منبر اور خلوت کے لمحات میں امہات المؤمنین کے حجرے یہ بھی سیکھنے سکھانے کے مراکز تھے۔ تعلیم سے آراستہ ہونے میں مرد و خواتین ہر دو کو اپنی اپنی استعداد اور فرصت کے مطابق سیکھنے کے مواقع میسر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض خواتین کا شمار حدیث کی بڑی رواۃ میں ہوتا ہے۔

---

[۴۲] البخاري، **الجامع الصحيح**، ۷:۶۷۔

[۴۳] البقرۃ، ۲:۱۵۱۔

۶.۲ طلبِ علم کی لگن

آپ ﷺ نے پورے سماج میں تعلیم و تعلم سے لگن کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ طرح طرح کی تکالیف اور مشقتیں اٹھا کر بھی لوگ علم حاصل کیا کرتے تھے۔ درسگاہِ نبوت کے ایک طالب علم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زمانہ طالب علمی کا اپنا ایک واقعہ نقل فرما رہے ہیں، وہ صفہ میں تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، امام بخاریؒ نے مشہور تابعی محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مشک سے دھلے ہوئے ایک بہت نرم اور ملائم کپڑے سے ناک صاف کیا اور اپنے اوپر تعجب کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ:

> تعجب ہے کہ آج ابو ہریرۃ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے حالانکہ ایک وہ وقت بھی تھا جب میں منبرِ رسول اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بے ہوشی کے عالم میں گرا پڑا ہوتا، لوگ میری گردن پر قدم رکھ رکھ کر گزرتے، ان کو یہ لگتا کہ شاید میں بیمار ہوں، مجنون ہو گیا ہوں، حالانکہ مجھے کوئی جنون لاحق نہ تھا بلکہ یہ تو بھوک تھی[۴۴]۔

۶.۳ درسگاہِ نبوی کا عمومی ماحول

آپ ﷺ نے درسگاہ کے ماحول کو بہت کھلا رکھا تھا، ہر کسی کو سوال کرنے اور اپنے دل کی بات کہنے کی اجازت تھی، آپ ﷺ نے سیکھنے سکھانے کے عمل میں سوال کرنے کو خاص اہمیت عطا کی اور اپنے فیض یافتگان کو سوال کرنے پر ابھارا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات حضرات صحابہ کرام کے سوالات کے جوابات میں اتریں اور اچھا خاصا ذخیرہ حدیث بھی صحابہ کرام کے سوالات کے جوابات میں وجود میں آیا۔ سوال کرنا آپ ﷺ کا مستقل وصفِ تدریس تھا، آپ ﷺ دورانِ سبق مختلف مقاصد کے لیے اپنے شاگردوں سے سوالات کیا کرتے تھے، حضرات صحابہ کرام کو بھی سوال کرنے کی کھلی اجازت تھی۔

امام بخاریؒ کے بقول حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ایک مرتبہ دورانِ درس سوال پوچھا کہ: "درختوں میں ایک درخت ایسا بھی ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟[۴۵]"، صحابہ کرام بھی سوالات کیا کرتے تھے اور بعض دفعہ تو بہت ہی عجیب اور غیر متوقع قسم کے سوالات بھی کر دیا کرتے تھے جس سے سب سننے والوں کا فائدہ ہو جاتا تھا۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی میں محبوب بن جاؤں؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "دنیا سے بے رغبتی اختیار کر لو؛ اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگ جائیں گے، اور لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے بے رغبتی اختیار کر لو لوگ بھی محبت کرنے لگ جائیں گے[۴۶]"، اس سماج کے عام افراد کی استعداد اور علمی

---

[۴۴] البخاري، **الجامع الصحيح**، ۹:۱۰۴۔

[۴۵] البخاري، **الجامع الصحيح**، ۱:۲۲۔

[۴۶] البیهقي، ابو بکر احمد بن الحسين، الامام، **شعب الايمان**، (مکتبۃ الرشید، ریاض، ۲۰۰۳م)، ۱۳:۱۱۶۔

سطح کا اندازہ ان کے سوالات اور پوچھنے کے انداز سے ہوتا ہے، حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمی تحریک کے نتیجے میں پیدا ہونے والی علمی پختگی اور اس معاشرے کے ہر طبقے میں سیکھنے کے عمل سے دلچسپی آج کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

۷. اصلاحات کے نفاذ میں آپ ﷺ کا مزاج

حضور نبی کریم ﷺ نے کمال حکمت عملی سے عرب سماج کا رخ بدل دیا تھا، ایک نئی تہذیب اور نئے تمدن کی طرح ڈالی تھی، آپ ﷺ نے سماج کی مثبت تشکیلِ جدید میں بھرپور کامیابی حاصل کی تھی، آپ ﷺ نے وہ تمام اصلاحات نافذ کیں جن کو لاگو کرنے کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ایک غیر مسلم انگریز مصنف مائیکل ہارٹ کے بقول: حضرت محمد ﷺ تاریخِ انسانیت کی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر برابر کامیابی حاصل کی[۴۷]۔ اتنے مشکل اور مخالفانہ ماحول میں آپ ﷺ اتنی بڑی اور شاندار کامیابی حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہوگئے کہ ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھی، عربوں کو مرکزیت سے روشناس کرا کر سیاسی استحکام بخشا، غلط جاہلی تصورات کو میدانِ عرفات میں دفن کر دیا، انسانیت کو چال چلن کے نئے مہذب اور باوقار طریقے دیے، نئی تہذیب و تمدن کی طرح ڈالی، غرض ایسا بارآور سماج اور معاشرہ تشکیل دیا کہ جس کی ڈالیاں صدیوں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں اپنا ٹھنڈا میٹھا سایہ کیے وہاں کے رہنے والوں کو امن و سکون کی فضا میں تعمیر و ترقی کے برابر مواقع فراہم کرتی رہیں۔ نفاذِ اصلاحات اور معاشرے کو تعمیر و ترقی سے روشناس کرانے میں آپ ﷺ نے تین پہلوؤں کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا، جن کا مختصر تذکرہ ہم آنے والی سطور میں کریں گے۔

۷.۱ دعوتِ عملی

آپ ﷺ نے جب دعوت اور اصلاحات کا آغاز فرمایا تو بجائے دعوتِ قولی پر اکتفا کرنے کے، اپنے عمل سے دعوت دی، ذخیرہ حدیث میں سے فعلی اور عملی احادیث کو مستقل قسم شمار کیا جاتا ہے جن کی تعداد قولی روایات سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اگر کسی کام کے کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے خود کر کے دکھایا اور اگر کسی کام سے منع فرمایا تو خود سب سے زیادہ اس سے بچنے والے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب اصابہ میں عمان کے بادشاہ الجلندی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ ان کو دعوت دینے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا، جب آپ رضی اللہ عنہ جلندی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا کہ: ان نبی امی ﷺ کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ یہ اگر کسی بھلائی کا حکم فرمائیں تو خود سب سے پہلے اسے کرنے والے ہوتے ہیں، اور کسی برائی سے منع نہیں فرماتے مگر خود سب سے پہلے اسے چھوڑنے والے ہوتے ہیں[۴۸]۔ آپ ﷺ نے اگر خرچ کرنے کو کہا تو خود فاقے برداشت کر کے بھی راہِ خدا میں خرچ کیا، معاف کرنے کو کہا تو فتح مکہ کے موقع پر معاف کر کے بھی دکھایا۔ دعوتِ عملی وہ مضبوط ستون تھا جس نے معاشرے کی تشکیلِ جدید میں کلیدی کردار ادا کیا۔

---

[۴۷] دیکھیے: Michael H. Hart, The ۱۰۰: A Ranking of The Most Influential Persons of All Times, مترجم: محمد عاصم بٹ، (ناشر: تخلیقات لاہور، ۲۰۰۶)، ۱:۲۵۔

[۴۸] ابن حجر العسقلانی، ابو الفضل احمد، الحافظ، **الاصابة فی تمییز الصحابة**، (دار الکتب العلمیة–بیروت، ۱۴۱۵ھ)، ۱:۶۳۷۔

۷.۲　نفاذِ اصلاحات میں تدریج کا لحاظ

آپ ﷺ نے باوجود امام الانبیاء ہونے کے اور باوجود اس کے کہ آپ کو اللہ رب العزت کی طرف سے مدد و نصرت کا سو فیصد یقین تھا اسباب کو ترک نہیں فرمایا، ہجرت کی رات چھپ کر مکہ مکرمہ سے عازمِ سفر ہو کر آپ ﷺ نے جائز اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی اور اپنی محنت کی تکمیل کے لیے ساڑھے تئیس سال انتظار کر کے نفاذِ اصلاحات میں تدریج کو ملحوظ رکھنا لازم قرار دے دیا۔ حرمتِ خمر کو ہی دیکھ لیجیے، اللہ رب العزت نے پہلے ہی دن شراب کو حرام قرار نہیں دے دیا بلکہ آہستہ آہستہ ایک درجے میں سماج کو ذہنی طور پر تیار کر کے حرمت کا حکم نازل فرمایا[۴۹]۔

۷.۳　مخاطب کی نفسیات کا لحاظ

حضور نبی کریم ﷺ نے نئی معاشرے کی بنیادیں رکھتے ہوئے افراد اور قبیلوں کی نفسیات کا خاص خیال رکھا ہے، شہر میں رہنے والوں کو ان کے ذوق اور دیہات والوں کو ان کے ذوق اور نفسیات کے مطابق ڈیل کیا، امام ابو داؤدؒ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: "لوگوں کو ان کا جائز مقام عطا کرو[۵۰]"، آپ ﷺ مخاطبین سے ان کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق معاملہ فرمایا کرتے تھے، علامہ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: جب جنابِ ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریشِ مکہ کے بڑے بڑے سردار جن میں عتبۃ بن ربیعۃ، شیبۃ، ابو جہل، امیۃ بن خلف اور ابو سفیان وغیرہ شامل تھے جنابِ ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کرنے لگے کہ اپنے بھتیجے کو روکیں کہ وہ اس نئی دعوت سے باز آ جائیں۔ آپ ﷺ بھی موجود تھے، جب آپ ﷺ کے سامنے سردارانِ قریش کا یہ مطالبہ رکھا گیا تو آپ نے ان کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: "**يا عم كلمة واحدة تعطونها تملكون بها العرب وتدين لكم بها العجم**[۵۱]"، پیارے چچا جان، صرف ایک کلمہ ہے اگر یہ سردارانِ قریش اسے تسلیم کر لیں تو سارے عرب کے مالک ہو جائیں گے اور عجم انہیں جزیہ دے گا"، اس موقعہ پر آپ ﷺ نے جنت جہنم کا تذکرہ نہیں فرمایا، چونکہ آپ کے مخاطب سردارانِ قریش تھے جو حکومت و سلطنت کے دلدادہ اور اسی دنیا کو کل متاع سمجھنے والے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان سے انہی کے لہجے اور نفسیات میں بات کی۔

۸.　نتائجِ بحث

جنابِ نبی کریم ﷺ نے کمالِ تدبر اور مکمل حکمت عملی سے عرب جاہلیت کے بت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین بوس کر دیا، اور انتہائی مستحکم بنیادوں پر نئی معاشرے کی تشکیل کی، آپ ﷺ نے لوگوں کے افکار اور نظریات پر محنت کی، جہدِ مسلسل اور شبانہ روز محنتوں سے لوگوں سے ان دیکھے خدا کو تسلیم کروا کر زمانے کی تقدیر بدل دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے عرب معاشرے کو مرکزیت عطا کی، سیاسی استحکام بخشا، امنِ عامہ کو فروغ دیا، فلاح و بہبود اور رفاہِ عامہ آپ ﷺ کا ہدف ٹھہرا، آپ نے تعلیم و تربیت کے ماحول کو پروان چڑھایا، لوگوں کو اچھی عادات اور حسنِ اخلاق

[۴۹] حرمتِ خمر کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: البقرۃ، ۲:۲۱۹، النساء، ۴:۴۳، المائدۃ، ۵:۹۱-۹۰۔

[۵۰] سلیمان بن اشعث، السنن، ۴:۲۶۱۔

[۵۱] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، الحافظ، **البدایہ والنہایۃ**، (دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۶)، ۳:۱۲۳۔

سے آراستہ کیا، تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی اور پورے سماج کو ایک ایسے جسم کی مانند بنا کر دنیا سے تشریف لے گئے کہ اگر اس کے کسی ایک حصے کو بھی تکلیف پہنچتی تو پورا جسم تکلیف اور بخار میں مبتلا ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے اس ساری محنت میں لوگوں کے ذوق، مزاج اور نفسیات کا بھرپور خیال رکھا، اپنے عمل سے دعوت دی اور جلد بازی کی بجائے مکمل اطمینان اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے، یہی وجہ ہے کہ ساڑھے تئیس سال کے مختصر سے عرصہ میں نہ صرف یہ کہ آپ نے جزیرہ نمائے عرب کو اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا بلکہ اس کی اٹھان ایسی مستحکم بنیادوں پر کی کہ وہ صدیوں دنیا کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیتا رہا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی، سیاسی، سماجی اور معاشی اصلاحات میں آپ ﷺ کا اسوہ اور عرب جیسے جاہلیت زدہ معاشرے میں نفاذِ اصلاحات میں حکمت اور تدبر سے لبریز تدریجی منہج ہمارے لیے بھی مشعلِ راہ ہے، اس امت کے آخری فرد اور معاشرے کی اصلاح بھی انہی اصولوں اور پر عمل پیرا ہو کر ہو گی جن اصولوں پر چل کر جاہلی عرب اور ٹکڑیوں میں بٹے مرکزیت سے محروم عرب معاشرے کی نہ صرف اصلاح ہوئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی قیادت اور سیادت کا موقع بھی عطا فرمایا تھا، ہمیں بھی اپنی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے اسی مشعل سے رہنمائی لینی ہے اور اس دور کو پیشِ نظر رکھ کر سیاسی، سماجی اور معاشی استحکام کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

کتابیات

القرآن الکریم۔

ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، الامام، **السنن**، (المکتبۃ العصریۃ صیدا، بیروت)۔

ابن حجر العسقلانی، ابو الفضل احمد، الحافظ، **الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ**، (دار الکتب العلمیۃ-بیروت، ۱۴۱۵ھ)۔

ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر، الامام، **البدایہ والنھایۃ**، (دار الفکر، بیروت، ط۱۹۸۶)۔

أحمد بن حنبل، الامام، **المسند**، (مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱م)۔

ضیاء الدین ابن الأثیر، الامام، **المثل السائر فی آدب الکاتب والشاعر**، (دار نھضۃ مصر للطبع والنشر، الفجالۃ-القاھرۃ)۔

ابو اسحاق ابراہیم الحربی، **اکرام الضیف**، (مکتبۃ الصحابۃ، طنطا، ۱۴۰۷ھ)۔

البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الامام، **الجامع الصحیح**، (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)۔

البیھقی، ابو بکر احمد بن الحسین، الامام، **شعب الایمان**، (مکتبۃ الرشید، ریاض، ۲۰۰۳م).

ڈاکٹر جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، (دار الساقی، ۲۰۰۱م)۔

الحاکم، أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، الامام، **المستدرک علی الصحیحین**، (دار الکتب العلمیۃ-بیروت، ۱۴۱۱م)۔

أبو تمام، حبیب بن أوس، دیوان الحماسۃ، القطامي، یحي بن علي بن محمد الشیباني التبریزي، **شرح دیوان الحماسۃ**، (دار القلم-بیروت)۔

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ**، (دار النفائس-بیروت، ۱۴۰۷ھ)۔

شوقي الضیف، أحمد عبد السلام، **تاریخ الأدب العربي العصر الجاھلي**، (دار المعارف، بیروت)۔

الطبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد الشامی، الامام، **المعجم الاوسط**، (دار الحرمین–القاہرۃ)۔

الطبري، أبو جعفر محمد بن جریر بن یزید الآملي، الامام، **جامع البیان في تأویل القرآن**، (مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰م)۔

الندوي، السید أبو الحسن علي بن عبد الحي، **ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**، (مکتبۃ الإیمان، المنصورۃ–مصر)۔

الکلبي، أبو المنذر ھشام بن محمد أبي النضر، **کتاب الأصنام**، (دار الکتب المصریۃ–القاھرۃ، ۲۰۰۰م)۔

القاضي صاعد، أبو القاسم صاعد بن أحمد بن صاعد الأندلسي، **کتاب طبقات الأمم**، (الأب لویس، المطبعۃ الکاثولیکیۃ للآباء الیسوعیین، بیروت، ۱۹۱۲م)۔

مسلم بن الحجاج، أبو الحسن، الامام، **الجامع الصحیح**، (دار إحیاء التراث العربي)۔

الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد، الأحکام السلطانیۃ، (دار الحدیث–القاھرۃ)۔

Michael H. Hart, **The ۱۰۰: A Ranking of The Most Influential Persons of All Times**، مترجم: محمد عاصم بٹ، (ادارہ تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۶)۔